بدلتا مقبوضہ کشمیر اور سرینگر ریل سروس

ابو حنظلہ مجاہد ؏

کشمیریوں کے خصائل اور کردار پر بات کرتے ہوئے پنڈت نہرو نے کہا تھا: کشمیری بہت ذہین اور بہت سی صلاحیتوں کے حامل ہونے کے باوجود شر پسند نہیں ہیں، بلکہ یہ لوگ نرم خو اور آرام دہ طرزِ زندگی کے خواہش مند ہیں۔ جنھیں چند ایک چیزوں جیسے ایمان دار انتظامیہ اور سستی و مناسب غذا کے سوا دوسری چیزوں سے سروکار نہیں، اور اگر انھیں یہ چیزیں فراہم کر دی جائیں تو یہ لوگ آپ کے مدمقابل ہرگز کھڑے نہیں ہوں گے۔ کہتے ہیں نہرو نے شیخ محمد عبداللہ سے یہ بھی کہا تھا: بھارت کشمیریوں کو سونے کی زنجیروں میں جکڑ لے گا یہاں تک کہ یہ لوگ آزادی اور حقِ خود ارادیت جیسے الفاظ ہی بھول جائیں گے۔

اگرچہ نہرو کی ان دونوں مبینہ باتوں سے مکمل طور پر اتفاق نہیں کیا جاسکتا لیکن اس سے بہرحال ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نہرو کیونکر مسئلہ کشمیر کو مذاکرات کے بہانے طول دینا چاہتے تھے، تاکہ وہ وقت حاصل کر کے کشمیریوں کو سونے کی زنجیروں میں جکڑ سکیں۔ ۱۹۵۲ء میں پنڈت نہرو نے ایک خط کے ذریعے شیخ عبداللہ سے مطالبہ کیا کہ وہ کشمیر کی آئین ساز اسمبلی کے ذریعے متنازعہ الحاق کی توثیق کروا کر اس مسئلے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں، کیونکہ اس مسئلے کی وجہ سے ہی بھارت کے اپنے پڑوسی پاکستان کے ساتھ تعلقات کشیدہ تھے جو عالمی سطح پر بھارت کے لیے سبکی کا باعث بن رہے تھے۔ مگر شیخ عبداللہ کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ وہ دہلی کے ساتھ 'تیتر بٹیر والا' کھیل کھیل رہے تھے۔ چنانچہ جب وہ دلی جاتے تو بھارت کے حق میں بیان داغ دیتے، اور جب کشمیر میں ہوتے تو الحاق ہند کی مخالفت میں بیان دیتے۔ اس پر مستزاد یہ کہ جب شیخ عبداللہ کے

؏ سری نگر، مقبوضہ کشمیر

نہرو کے ساتھ اچھے تعلقات ہوتے تو اس وقت وہ خود کو ہندوستانی کہتے، لیکن جونہی نہرو کے ساتھ ان کی ذراسی اَن بن ہوجاتی، تو وہ کشمیر کی آزادی کی بات کرنے لگ جاتے۔ شیخ عبداللہ کا یہ رویہ نہرو اور سردار پٹیل کو کسی بھی صورت میں قابلِ قبول نہیں تھا۔ ویسے بھی انھیں جو کام ان سے لینا تھا، وہ پہلے ہی لے چکے تھے۔ان کے نزدیک اب شیخ عبداللہ کی وہ اہمیت نہیں رہی تھی جو ۱۹۴۷ء تک تھی۔

اب پیمانے بدل چکے تھے اور بھارتی حکومت کشمیر میں نئے چہرے تلاش کر رہی تھی، جو ان کے منصوبوں کے عین مطابق کام کرسکیں۔ اس کام کے لیے کانگریس کی نظرِ انتخاب شیخ عبداللہ کے قریبی ساتھی بخشی غلام محمد پر جا پڑی، چنانچہ ۱۹۵۳ء میں نہرو نے شیخ عبداللہ کو کرسی سے اتار کر جیل میں ڈال دیا اور بخشی غلام محمد کو کشمیر کا وزیر اعظم بنا دیا۔ بخشی غلام محمد نے 'نیا کشمیر' کا نعرہ لگا کر کشمیر کی معاشی ترقی اور خوش حالی کا بیڑا اٹھایا اور حکومت کرنے لگے۔ اقتدار میں آتے ہی بخشی غلام محمد نے کشمیر کی آئین ساز اسمبلی کے ذریعے متنازعہ الحاق کی توثیق کرا دی اور اپنا سارا زور کشمیری قوم کو بھارتی یونین میں ضم کرنے میں لگا دیا۔ یہ انضمام صرف زمینی اور سیاسی نہ تھا بلکہ معاشی انضمام بھی تھا۔اس مقصد کی خاطر بخشی حکومت کے لیے نئی دہلی حکومت نے اپنے خزانے کھول دیئے۔

شیخ عبداللہ کے دورِ حکومت میں کشمیر کے ہوم سیکرٹری اور پھر ہوم منسٹر رہنے والے ڈی پی دھر، پنڈت نہرو کے خاص آدمی تھے۔ انھوں نے بقولِ شیخ عبداللہ نہرو کو یہ مشورہ دیا کہ کشمیریوں کو سیاست بالکل بھی نہیں آتی، زیادہ سے زیادہ اگر انھیں کسی چیز کی فکر ہے تو وہ ہے مناسب اور دلکش کھانا۔ ڈی پی دھر کے بقول کشمیریوں کے دل تک پہنچنے سے پہلے ان کے معدے تک رسائی حاصل کرنی ہوگی۔ رفتہ رفتہ جب یہ لوگ بہترین کھانا اور مفت سہولیات حاصل کر کے آسان طرزِ زندگی کے عادی ہو جائیں گے، تو لازماً آزادی کو بھول جائیں گے۔ دھر کے الفاظ میں They could be won over gastronomically۔ یہ حکمت عملی برطانیہ کی چین میں اپنائی جانے والی 'افیون حکمت عملی' کے طرز پر تھی۔

بخشی غلام محمد نے اسی حکمت عملی کے تحت لوگوں کو غلامی کا خوگر بنانا شروع کیا۔ انھوں نے لوگوں کو سرکاری نوکریاں دینا شروع کیں اور ہر کس و ناکس کے لیے حکمنامے جاری کرنے شروع کیے۔ اس طرح رفتہ رفتہ کشمیری قوم کو ایک خاص Comfort Zone (گوشۂ عافیت) میں دھکیلا گیا۔

اس حکمت عملی کو Politics of Life کہا جاتا ہے، جس میں مقبوضہ علاقے کا باقی دنیا سے رشتہ کاٹ کر مکمل طور پر قابض ملک کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ فلسطین میں اسرائیل اور کشمیر میں بھارت اسی حکمت عملی کے ذریعے لوگوں کے عزم کو کمزور کر رہے ہیں۔ مشہور ہے کہ جب کوئی شخص بخشی غلام محمد کے پاس نوکری مانگنے جاتا تو بخشی صاحب وہیں بیٹھے بیٹھے ماچس کے ڈبے پر یا کاغذ کی پھٹی ہوئی سلپ پر اسے نوکری کا پروانہ تھما دیتے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جو شخص بخشی کے دور میں بھی بھوکا رہا، وہ زندگی بھر پھر کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھا سکتا۔ اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بخشی دورِ حکومت میں پیسے اور سہولیات کی کتنی ریل پیل رہی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ معاشی آسودگی کے اعتبار سے بخشی دور حکومت کو کشمیر کا منفرد دور قرار دیا جاتا ہے۔

تاہم اس دور کے پیچھے دو وجوہ کارفرما تھیں: پہلی یہ کہ کشمیر میں تعمیر و ترقی کو فروغ دے کر اول تو دنیا کے سامنے یہ دلیل پیش کی جائے کہ کشمیر میں سب کچھ ٹھیک ہے اور لوگ بھارت کے ساتھ الحاق کر کے خوش ہیں۔ دوم یہ کہ کشمیری قوم کو کمفرٹ زون میں دھکیل کر رام کیا جائے، تاکہ انھیں جذباتی طور پر بھارت میں ضم کیا جاسکے۔ یہ کشمیر میں استعماریت (Colonialism) کی طرف پہلا قدم تھا جس کا بی جے پی 'آبادکار استعماریت' (Settler Colonialism) کے ذریعے اب کلائمکس چاہتی ہے۔

بخشی دور حکومت کے بعد ۱۹۶۲ء میں بھارت چین، ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت اور ۱۹۷۱ء میں پھر دوسری پاک بھارت جنگ ہوئی۔ اسی دوران سقوطِ ڈھاکہ کا دل خراش واقعہ پیش آ گیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ذوالفقار بھٹو اور اندرا گاندھی کے درمیان 'شملہ معاہدہ' بھی ہوا۔ ان تمام تاریخی واقعات بالخصوص سقوطِ ڈھاکہ کے بعد 'شملہ معاہدہ' کا مسئلہ کشمیر پر براہِ راست اثر پڑا۔ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد شیخ عبداللہ نے اندرا گاندھی کے ساتھ جو معاہدہ کیا، اسے 'اندرا عبداللہ ایکارڈ' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ شیخ عبداللہ نے ۲۲ سال کی جدوجہد کو '۲۲ سالہ صحرا نوردی اور سیاسی آوارہ گردی' کا نام دے کر اپنی طرف سے مسئلہ کشمیر کی بساط ہی لپیٹ دی۔

اس کے بعد ۱۹۸۴ء میں شہید مقبول بٹ کو تختۂ دار پر چڑھایا گیا۔ تحریکِ آزادیٔ کشمیر میں فیصلہ کن موڑ اس وقت آیا، جب ۱۹۸۸ء کے انتخابات میں ریکارڈ توڑ دھاندلیوں کے جواب میں

کشمیری نوجوانوں نے جمہوری طریقوں سے مایوس ہوکر مسلح مزاحمت کا راستہ اختیار کرلیا۔ اس طرح کشمیر کی تاریخ میں عسکری تحریک کا آغاز ہوااور کشمیر کی تحریک آزادی اپنے دوسرے دور میں داخل ہوگئی۔

اس وقت اگر آپ کشمیر کی آبادی کو تقسیم کریں تو آپ کا سابقہ چار نسلوں کے لوگوں سے پڑے گا۔ پہلی نسل وہ ہے، جس نے یا تو ڈوگرہ دورِ حکومت کے خلاف مزاحمت کی یا وہ اسی مزاحمت کے دوران پیدا ہوئے۔ یہی وہ نسل ہے جس نے تحریکِ آزادیٔ کشمیر کی بنیاد رکھی۔ بدقسمتی سے شیخ عبداللہ اس نسل کے قائدِ کارواں تھے۔ یہ نسل تحریک آزادی کا اختتام، آزادی کی صبح پر نہیں کر پائی۔ شیخ عبداللہ کی ایک غلطی نے کشمیری قوم کو آزادی کی منزل سے مزید سو سال دور کر دیا۔ بقول اقبال:

لیکن نگاہِ نُکتہ بیں، دیکھے زبوں بختی مری
''رفتم کہ خار از پا کشم، محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دَور شد''

دوسری نسل پہلی نسل کے لوگوں کی اولاد ہے، جو ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۵ء کے درمیانی عرصے میں پیدا ہوئی۔ یہی وہ نسل ہے جس نے ۱۹۸۸ء میں مسلح مزاحمت کا راستہ اختیار کیا تھا۔ تیسری نسل جو ۱۹۹۰ء اور ۲۰۰۴ء کے درمیان یعنی مسلح مزاحمتی تحریک کے عین شباب میں پیدا ہوئی۔ اور چوتھی نسل وہ ہے جو ۲۰۰۴ء کے بعد پیدا ہوئی جب مشرف کا چار نکاتی فارمولا گفتگو کا موضوع بنا ہوا تھا۔ جہاں تک پہلی نسل کے لوگوں کا تعلق ہے، یہ لوگ اس وقت اپنی عمر کے آخری پڑاؤ میں ہیں، لہٰذا ان سے بھارت کو کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔ دوسری نسل جس نے مسلح مزاحمتی تحریک میں حصّہ لیا تھا، اس وقت تقریباً پچاس اور ساٹھ سال کی عمر کے درمیانی حصّے میں ہیں۔ ان لوگوں نے مسلح مزاحمتی تحریک کے دوران بھارت کی طرف سے ڈھائے جانے والے مظالم کا بذاتِ خود مشاہدہ کیا ہے، یہ لوگ بھی اب بھارت کے لیے اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہیں۔

رہی آخری دونسلیں جن میں ۱۹۹۰ء کی مسلح مزاحمتی تحریک میں پیدا ہونے والی نسل نے ۲۰۰۸ء، ۲۰۱۰ء اور ۲۰۱۶ء کی تحریک کو جنم دیا، جب کہ آخری نسل جو ۲۰۰۴ء کے بعد پیدا ہوئی، ان تحریکات کے دور میں کم عمری کی وجہ سے حالات سے اتنی آگاہ نہیں ہے۔ البتہ مستقبل میں کشمیر کی تحریک آزادی کیا رُخ اختیار کرتی ہے؟ اس کا انحصار انھیں آخری دونسلوں پر ہے۔ یہ بات

بھارت کے منصوبہ ساز ادارے بھی بخوبی جانتے ہیں اور اسی وجہ سے تیسری نسل کے جوانوں کو ٹارگٹ کرکے یا تو ہیرو بنا کر چوتھی نسل کے سامنے پیش کیا جاتا ہے یا پھر انھیں آہستہ آہستہ منظر سے ہٹایا جاتا ہے۔ اس نسل کو رام کرنے کے لیے بھارت Stick and Carrot والی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔

سب سے پہلے 'Carrot' یعنی 'نرم پالیسی' اختیار کر کے سکولوں اور کالجوں میں ان کی ذہن سازی کی جاتی ہے تاکہ یہ لوگ کسی بھی طرح سے نئی دہلی کے 'قومی دھارے' میں شامل ہو جائیں، اور جو لوگ اس حکمت عملی میں نہیں پھنستے انھیں 'سٹک' کے ذریعے مجبور کیا جاتا ہے۔ 'سٹک' کے معاملے میں صرف ڈرانا دھمکانا نہیں بلکہ دیگر بہت سے ذرائع ہیں، جیسے جسمانی طور پر ٹارچر کرنا، ذہنی پریشان کرنا، قید و بند کی صعوبتیں، پی ایس اے ایکٹ لگا کر کریئر کو تباہ کرنا اور نشے کی لت میں مبتلا کروانا جیسے ہتھکنڈے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت جموں و کشمیر میں تقریباً ۱۳لاکھ ۵۰ ہزار افراد نشے کی لت میں مبتلا ہیں، جن میں تقریباً ایک لاکھ خواتین بھی شامل ہیں، جب کہ دس سال قبل پوری ریاست میں یہ تعداد ایک یا ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ نہیں تھی۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حالات کس سمت میں لے جائے جارہے ہیں۔

نئی نسل کی ذہن سازی کے لیے کبھی بھارتی فلم انڈسٹری کا سہارا لیا جاتا ہے، کبھی کے اے ایس اور آئی اے ایس افسران کو ترقیاں دے کر نوجوان نسل کو ان کی دیکھا دیکھی کشمیر کی بھارت نواز بیوروکریسی کی طرف مائل کیا جاتا ہے۔ جان بوجھ کر طے شدہ منصوبے کے تحت کشمیر میں پہلے بے روزگاری کو بڑھاوا دیا جاتا ہے، پھر سروس سلیکشن بورڈ (ایس ایس بی) کے ذریعے سرکاری ملازمتوں کے لیے نوٹس نکالے جاتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آسامیاں پُر کرنے کے لیے پہلی فہرست میں آزادی پسند ملازمین کو ملک مخالف سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا الزام لگا کر نوکریوں سے برخواست کر دیا جاتا ہے اور پھر ان کی جگہ نئی آسامیوں کو پُر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح نوجوان نسل کو ٹارگٹ کر کے لیفٹیننٹ گورنر کی طرف سے خصوصی انعامات دلا کر انھیں 'یوتھ آئکون' بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ صحافیوں کی ایک فوج اس مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے، جو عوام کو روزمرہ کے جھمیلوں میں اُلجھائے رکھنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

چوتھی نسل جو اس وقت شعوری طور پر خام ہے، تعلیمی اداروں میں مخصوص تاریخ پڑھا کر ان

کی اسلامی روح فنا کی جارہی ہے۔ بھارتی حکومت کی طرف سے ہر سال تقریباً پانچ ہزار کشمیری طلبہ و طالبات کو 'پرائم منسٹرز اسپیشل اسکالرشپ اسکیم' (PMSSS) کے تحت وظائف فراہم کیے جاتے ہیں، جس کے پیچھے صرف یہ مقصد کارفرما ہے کہ کشمیر کی نوجوان نسل جب بھارتی ریاستوں میں مخلوط تعلیمی نظام میں پروان چڑھے گی، تو لازماً بھارت کے مشرکانہ ماحول کو اپنے اندر جذب کرلے گی۔ اس طرح سے بوائے فرینڈ، گرل فرینڈ کلچر کو فروغ ملے گا اور ان کی غیرت وحمیت فنا ہوجائے گی۔ پہلے ہی کشمیر میں نوجوان 'غمِ روزگار' کے مارے ہوئے ہیں، اس پر جب 'غمِ عشق' کا بھی اضافہ ہوگا تو اس کا نتیجہ ڈپریشن اور قنوطیت کی صورت میں نکلے گا۔ اور یوں نئی نسل اپنے اصلی مقصد سے دُور ہوجائے گی۔

بھارتی حکومت نے تقریباً تین سو سے زائد NGO's کو کشمیری طلبہ و طالبات کے لیے خصوصی پیکیجز مختص کرنے کی ہدایت کی ہوئی ہے اور ہر سال ان پیکیجز میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ یہ NGO's کبھی 'اُڑان' کے نام پر تو کبھی 'کھیلو انڈیا' پروگرامات کے تحت کشمیری طلبہ و طالبات کو نوکریوں کے بہانے باہر کی ریاستوں میں لے جاتے ہیں۔ اس کام کے لیے کشمیر کی خوب صورت دوشیزاؤں کو اوّلین ترجیح دی جاتی ہے اور اخبارات میں باضابطہ طور پر اشتہارات دیئے جاتے ہیں۔ جب یہ لڑکیاں باہر کی ریاستوں میں پہنچتی ہیں تو وہاں آر ایس ایس کا ایک مخصوص گروہ انھیں اپنے جال میں پھانسنے کے لیے پہلے سے ہی تیار ہوتا ہے۔ بھارت میں اس گروہ کو 'بھگوا لوّ ٹریپ' (Bhagva Love Trap) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جس کا مقصد بھولی بھالی مسلم بچیوں بالخصوص کشمیری لڑکیوں کو اپنی محبت کے جال میں پھنسا کر ان کا مذہب تبدیل کروانا ہوتا ہے۔ آر ایس ایس اس کے لیے ان کی خصوصی معاونت کرتی ہے۔

کچھ سال پہلے تک کشمیر میں یہ قانون تھا کہ اگر کوئی کشمیری خاتون کسی غیر ریاستی باشندے سے شادی کرلیتی تو اسے وراثت میں کسی قسم کا حصّہ نہیں مل سکتا تھا، لیکن بھارت نے اس قانون کو ختم کر کے ردی کی ٹوکری میں ڈالتے ہوئے آر ایس ایس کے بھگوا اسکواڈ کو کھلی چھٹی دے دی ہے۔ جموں صوبہ کی ہزاروں ہندو لڑکیاں ایسی ہیں، جو بھارت کی دیگر ریاستوں میں شادیاں کرچکی ہیں اور اس طرح سے ان کے شوہروں کو بھی کشمیر میں مالکانہ حقوق حاصل ہوگئے ہیں۔ یہ مسئلہ ابھی تک

تو اتنا خطرناک نہیں تھا، لیکن اگست ۲۰۱۹ء میں چونکہ دفعہ ۳۷۰ کا مکمل خاتمہ کر دیا گیا ہے، اس وجہ سے صورت حال خوفناک ہوتی جارہی ہے۔ دفعہ ۳۷۰ کے ہوتے ہوئے کوئی بھی غیر ریاستی باشندہ کشمیر میں نہ تو زمین کے مالکانہ حقوق حاصل کرسکتا تھا اور نہ ووٹ ڈال سکتا تھا، لیکن اس کے خاتمے کے ساتھ ہی یہ شرط ختم ہوگئی ہے۔ اب بھارت کی کسی بھی ریاست کا باشندہ کشمیر میں زمین خرید بھی سکتا ہے اور ووٹ بھی ڈال سکتا ہے۔

آر ایس ایس اسی لیے دستورِ ہند بنتے ہی دفعہ ۳۷۰ کو ختم کروانا چاہتی تھی تاکہ کشمیر میں ہندوؤں کو بسا کر مسلم اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کیا جاسکے، اور یہ امکان بھی دم توڑ جائے کہ اگر کبھی حریت پسند قیادت اور عالمی دباؤ کے تحت کشمیر میں ریفرنڈم کروانا پڑے تو اس وقت ہندو آبادی چونکہ اکثریت میں ہوگی، اس لیے ان کا ووٹ بھارت کے حق میں پڑے گا اور یوں کشمیری قوم کی غلامی کی رات مزید طویل ہوجائے گی۔

حالات کی شدت بتا رہی ہے کہ بی جے پی اور آر ایس ایس اس مسئلے کو اپنی مرضی کے مطابق انجام تک پہنچانا چاہتے ہیں اور کشمیر کو ہندو سٹیٹ بنانے کے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے جا رہے ہیں۔ پنڈتوں کو الگ کالونیوں میں بسانے کے بعد اب اسرائیلی طرز پر فوجی کالونیاں (Sainik Colonies) بنائی جارہی ہیں۔ پیر پنجال صوبہ کے مسلمانوں کو دبانے کے لیے وہاں VDC یعنی 'ولیج ڈیفنس' کمیٹیاں پہلے سے ہی موجود تھیں، اب انھیں مزید مضبوط کیا جا رہا ہے۔ کل کو اگر VDC's کے یہ مسلح غنڈے پیر پنجال میں مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کردیتے ہیں تو کون ہے جو انھیں روک سکتا ہے؟ جموں صوبہ جہاں پہلے سے ہی ہندوؤں کی اکثریت ہے، VDC's کا ہونا کس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے؟ ابھی گذشتہ مہینے ہی فوج نے پونچھ ضلع میں تیرہ نوجوانوں پر ٹارچر کیا، جن میں تین نوجوان زیر تشدد ہی شہید ہوگئے۔

سوشل میڈیا پر کشمیری مسلمانوں کی جاسوسی کی جارہی ہے کہ کون کیا کر رہا ہے، کس سے رابطے میں ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ جس جس پر حکومت کو آزادی پسند ہونے کا شک ہوتا ہے اسے زینتِ زنداں بنا دیا جاتا ہے۔ ایک طرف ہندوؤں کو مضبوط کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف کشمیر میں موجود آزادی پسند تنظیموں خواہ وہ اسلامی ہوں یا قوم پرست، سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جا رہا ہے۔ بی جے پی

اور آر ایس ایس کشمیر میں کسی بھی قسم کی آزادی پسند تحریک کو برداشت نہیں کرنا چاہتی ہے۔ پہلے جماعت اسلامی پر پابندی عائد کر دی گئی، پھر جے کے ایل ایف کو ملک مخالف قرار دے کر غیر قانونی قرار دیا گیا اور اب مسلم لیگ اور تحریکِ حریت پر بھی پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ گوتم نولکھا کے بقول بھارت جب کشمیریوں پر جمہوری طریقے بند کر دے گا، تو لازماً اس کا نتیجہ عسکری تحریک کی صورت میں نکلے گا۔

اس وقت کشمیر میں تقریباً آٹھ سے نو لاکھ بھارتی فوج موجود ہے۔ اس کے علاوہ انتخابات اور امرناتھ یاترا کی سیکورٹی کے نام پر الگ سے فوج منگوائی جاتی ہے، آخر اتنی فوج کا کشمیر جیسی وادی میں کیا کام؟ جب ایک چھوٹی سی وادی میں آٹھ نو لاکھ فوج موجود ہو، ولیج ڈیفنس کمیٹی کے نام پر مسلح جتھے ہوں، آر ایس ایس کے غنڈوں کی کثیر تعداد میں نفری ہو، وہاں کس قسم کے خوف کا ماحول ہوگا؟ اس کا اندازہ آپ فلسطین کی صورتِ حال دیکھ کر لگا سکتے ہیں۔

اسی خوف تلے کشمیر میں نفسیاتی امراض بالخصوص خواتین میں روز بہ روز بڑھ رہے ہیں۔ Poly Cyst Ovarian Syndrome اس وقت وادیٔ کشمیر میں سب سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ حرکت قلب بند (Cardiac Arrest) ہونے کے کیسوں میں مسلسل اضافہ دیکھا جا رہا ہے۔ ان حالات کی یلغار میں اگر وادی کو بذریعہ ٹرین بھارت کی دیگر ریاستوں سے جوڑا جا رہا ہے تو سمجھ جانا چاہیے کہ آر ایس ایس اور بھارت کے منصوبہ ساز ادارے کیا کرنے جا رہے ہیں۔ آخر بھارت اتنا بیوقوف بھی نہیں ہے کہ جو کشمیری مسلمان ان سے آزادی مانگتے ہیں اور ان پر پتھر برساتے ہیں، ان کے لیے وہ ۲۸ ہزار کروڑ کی لاگت سے ٹرین کی سہولت فراہم کرے۔

بھارتی ریاستوں کے لوگ اس وجہ سے بھی کشمیر نہیں آتے تھے کہ بس، ویگن یا کار کے ذریعے کشمیر کا سفر دشوار گزار ہے، لیکن ٹرین کی آمد کے ساتھ یہ مشکل بھی ختم ہو جائے گی اور غیر ریاستی لوگ مزدوروں اور سیاحوں کے نام پر سیلاب کی مانند کشمیر کا رخ کریں گے۔ نہرو نے سچ کہا تھا کہ بھارت کشمیریوں کو سونے کی زنجیروں میں جکڑ دے گا، اور زنجیر چاہے سونے کی ہو یا لوہے کی، ہر صورت میں یہ غلامی کی علامت ہوتی ہے۔ ٹرین سروس بھی کشمیریوں کے لیے غلامی کی زنجیر سے کم نہیں ہے۔ اس سروس کے بحال ہوتے ہی بھارت کی مختلف ریاستوں سے لوگوں کو لا لا کر وادی

میں بسایا جائے گا اور انھیں ویلیج ڈیفنس کمیٹیوں کے نام پر مسلح کیا جائے گا، پھر جب بھارتی فوج، آر ایس ایس کے غنڈے اور یہ ہندو جتھے کشمیری مسلمانوں کا خون بہا رہے ہوں گے تو انھیں فسادات کا نام دے کر دبا دیا جائے گا۔ ۱۹۴۷ء میں جموں میں کیا جانے والا قتلِ عام، اس کی زندہ مثال ہے، جب تقریباً پانچ لاکھ مسلمانوں کا نسلی صفایا کیا گیا اور پھر اسے تاریخ سے غائب کر کے کسی کو بھنک بھی نہیں پڑنے دی گئی۔ آج کشمیر کی نئی نسل کو جموں قتلِ عام کے بارے میں بالکل بھی نہیں پتہ کہ وہاں کیا ہوا تھا۔ بالکل اس طرح جیسے ایک سال کے دوران مکتی باہنی اور بھارتی مداخلت کاروں کے ہاتھوں مشرقی پاکستان میں غیر بنگالیوں کا ہولناک قتل عام کروا کے اس کا تذکرہ غائب کرا دیا گیا۔

ان دنوں کشمیر میں انتخابات کا بگل بجایا جا رہا ہے اور کشمیر کو پھر سے ریاست کا درجہ دینے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ کشمیر کی بھارت نواز سیاسی جماعتیں اپنی بازی گری کے کرتب دکھانے میدان میں اُتری ہوئی ہیں۔ اس باران کا منشور ہے: 'دفعہ ۳۷۰ کو دوبارہ واپس لا کر رہیں گے'۔ اب اس نام پر کشمیری عوام کو فریب دیا جا رہا ہے کہ اگر کشمیری عوام انھیں ووٹ دیتے ہیں تو وہ دفعہ ۳۷۰ کو واپس لا کر رہیں گے، جب کہ نریندر مودی نے دوٹوک الفاظ میں یہ بات کہی کہ دنیا کی کوئی بھی طاقت دفعہ ۳۷۰ کو واپس نہیں لا سکتی۔ انتخابات میں چاہے نیشنل کانفرنس جیتے، پی ڈی پی جیتے یا پھر الطاف بخاری کی پارٹی جیت جائے۔ یا اگر یہ ساری جماعتیں متحد ہو کر بھی جیت جائیں، تب بھی انھیں دلی کے سامنے ناک رگڑنے پر مجبور کیا جائے گا۔ لہٰذا، کشمیر کے موجودہ انتخابات اس طرح سے بے حیثیت ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اب رہا سوال نئی دہلی میں کون سی حکومت بنتی ہے؟ اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ اگر مرکز میں کانگریس کی حکومت آتی ہے تو اس سے بھارت کے مسلمانوں کو کچھ آسانی تو مل سکتی ہے، لیکن کشمیریوں کے لیے کسی قسم کی راحت (relaxation) نہیں ہو سکتی۔ بی جے پی ہو یا کانگریس، کشمیر میں 'ہندوتوا' کلائمکس پہ لے جانا دونوں صورتوں میں طے ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بی جے پی یہ کام کھل کے اور جلدی کرنا چاہتی ہے، جب کہ کانگریس آہستگی سے اور سیکولرازم کا لبادہ اوڑھ کر کرنا چاہتی ہے۔